بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

مسئلہ کشمیر کے چار حل

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

پاکستان کی موجودہ جرنیلی حکومت کی کشمیر 'پالیسی' (جسے پالیسی کہنا لفظ پالیسی کے ساتھ ناانصافی ہے کہ یہ پالیسی نہیں صرف 'پسپائی ہی پسپائی' ہے) نے پاکستان اور جموں و کشمیر کے مسلمانوں کو ایک خطرناک صورت حال سے دوچار کردیا ہے۔ آج تک پاکستان کی کسی حکومت نے اس اصولی پالیسی سے انحراف نہیں کیا کہ کشمیر پر بھارت کا تسلط ناجائز اور غاصبانہ ہے اور مسئلے کا واحد حل اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق ریاست کے عوام کی آزادرائے سے (عالمی نگرانی میں منعقد ہو نے والے استصواب کے ذریعے) اپنے مستقبل کو طے کرنے کے سوا کوئی نہیں۔ پاکستانی قوم اپنے اس موقف پر جو ایک قومی عہد (national covenant) کی حیثیت رکھتا ہے' قائم ہے جس کا بھرپور اظہار اس سال ۵ فروری کے یوم یک جہتی پر ایک بار پھر ہوا ہے۔ اسی طرح جموں و کشمیر کے مسلمانوں کی عظیم اکثریت بھی بھارت کے تسلط کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں اور اپنی آزادی کے لیے اب تک ۱ لاکھ سے زیادہ جانوں کا نذرانہ پیش کرچکی ہے اور اب بھی مقبوضہ کشمیر کی عوامی جدوجہد پر تھکاوٹ اور اضمحلال کا کوئی سایہ نظر نہیں آتا' بلکہ پاکستان کی طرف سے شدید مایوسیوں کے باوجود کشمیری اپنی جدوجہد اور قربانیاں پورے جوش وخروش سے جاری رکھے ہوئے ہیں اور پاکستانی قوم سے اب بھی مایوس نہیں ہوئے ہیں۔ اس کا تازہ ترین اعتراف بھارت کے موقر مجلّے Economic & Political Weekly نے اپنے ۲۷ جنوری ۲۰۰۷ء کے اداریے میں ان الفاظ میں کیا ہے کہ:

’’دونوں طرف خودمختار مملکتوں کے بغیر لائن آف کنٹرول کو نرم کرنا کوئی قابلِ عمل تجویز نہیں ہے۔ یہ امر اہمیت رکھتا ہے کہ پاکستان نے تو اپنے مقاصد کے لیے لائن آف کنٹرول کی حوصلہ افزائی کی اور اس سے فائدہ اٹھایا، لیکن ۱۹۸۹ء سے وادی میں جو جنگجویانہ شدت ظاہر ہوئی، وہ دراصل ریاست میں جاری طرزِ حکمرانی کے خلاف مضبوط کشمیری مخالفت کا نتیجہ تھی۔ اسی وجہ سے دہشت گردی نے ریاست میں جڑیں پکڑ لیں۔ جوں ہی سری نگر جنسی اسکینڈل یا افضل گورو کی سزاے موت جیسے مسائل سامنے آتے ہیں، احتجاج کا سلسلہ وادی کو ہلا ڈالتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بیگانگی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی‘‘۔

کشمیر کا مسئلہ محض زمین کا مسئلہ نہیں اور نہ اس کا تعلق سرحدوں کو تسلیم کرنے یا نرم کرنے سے ہے۔ اصل مسئلہ جموں و کشمیر کے عوام کے حق خودارادیت اور تقسیم ہند کے نامکمل ایجنڈے کی تکمیل کا ہے۔ موجودہ حکومت اس سے دست بردار ہونے کی تاریخی غلطی کر رہی ہے جسے نہ پاکستانی قوم تسلیم کرے گی اور نہ جموں و کشمیر کے مسلمان۔ موجودہ حکومت وہی بات کہہ رہی ہے جو بھارت چاہتا ہے اور بھارت ابھی اس سے بھی زیادہ پاکستان کو ذلیل کرنے پر تلا ہوا ہے۔ Economic & Political Weekly اپنے اس اداریے (۲۷ جنوری ۲۰۰۷ء) میں جنرل پرویز مشرف کی کشمیر پسپائی کا پول اس طرح کھولتا ہے کہ گو ابھی تک:

’’کوئی بھی واضح بات طے نہیں ہوئی ہے، جیسا کہ وزیرخارجہ پرناپ مکرجی کے گذشتہ ہفتے اسلام آباد کے دورے میں ظاہر ہوا‘‘۔

لیکن پھر بھی امیدوں کے چراغ جلائے جا رہے ہیں۔

’’تاہم بھارت پاکستان پر نظر رکھنے والوں میں ایک نئی تقریباً ناقابلِ محسوس اُمید کی کیفیت ہے‘‘۔

لیکن اس کی وجہ اصل مسئلے کے حل کی کوئی راہ نہیں بلکہ پاکستان کی موجودہ قیادت کے دل و دماغ اور عزائم اور اہداف کی تبدیلی ہے۔ اس اداریے میں کہا گیا ہے کہ:

’’یہ بنیادی طور پر لائن آف کنٹرول کو مستقل سرحد تسلیم کرنے پر پاکستان کی رضامندی اور بھارت کی طرف سے اس لائن کو نرم کرنے اور جموں و کشمیر میں خودمختار حکومت کی خواہش کے لیے گنجایش پیدا کرنے پر آمادگی سے پیدا ہوتی ہے۔ اُمت کے لیے خودمختاری اور لائن آف کنٹرول کے حوالے سے مجوزہ تبدیلیاں مستقل لیکن ___ سرحد کو تسلیم کرنا، دونوں باتیں بھارت کے مفاد میں

ہیں''۔

اس خطرناک پس منظر میں قوم کو ایک بار پھر دوٹوک انداز میں سمجھنے کی ضرورت ہے کہ مسئلے کا اصل حل کیا ہے۔ ہم اس موقع پر ذیل میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی وہ تقریر شائع کر رہے ہیں جو انھوں نے ۲۵ نومبر ۱۹۶۵ء کو مظفرآباد (آزاد کشمیر) کے کالج گراؤنڈ میں ایک جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے کی تھی۔ اس جلسے کی صدارت اس وقت کے وزیراعظم آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم خان نے کی اور مولانا کا استقبال ان الفاظ میں کیا: ''میں حاضرین جلسہ کی طرف سے امیر جماعت اسلامی پاکستان مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور ان کے رفقا کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے یہاں آنے کی تکلیف فرمائی۔[1] ان کی آمد ہمارے لیے باعثِ سعادت ہے۔ کشمیر کے لیے مولانا مودودی نے ناقابلِ فراموش کام کیا ہے۔ موجودہ حالات میں جماعت اسلامی کی خدمات تاریخی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کے علاوہ مہاجرین کشمیر کے لیے جماعت اسلامی نے جو کام کیا ہے، اسے ہم کبھی نہیں بھول سکتے''۔ مولانا مودودی نے ۱۹۶۵ء کی جنگ کے متاثرین سے ہمدردی اور ان کی پامردی پر خراجِ تحسین پیش کرنے کے بعد جو کچھ فرمایا وہ آج ۲۰۰۷ء میں بھی مشعلِ راہ ہے۔ (مدیر)

حضرات! یہ سوال آج ہر شخص کی زبان پر ہے کہ کشمیر کے اس مسئلے کا، جو ہمیں درپیش ہے آخر حل کیا ہے؟ ہر پاکستانی خواہ وہ مغربی پاکستان میں ہو یا مشرقی پاکستان میں، پوچھ رہا ہے کہ اس مسئلے کو کیسے حل کیا جائے؟ اور جلدی سے جلدی کشمیر میں اپنے مسلمان بھائیوں کو مظالم سے کیسے نجات دلائی جائے؟ میں جہاں کہیں بھی جاتا ہوں، جن لوگوں سے بھی ملتا ہوں وہ بار بار اس سوال کو اُٹھاتے ہیں اور یہاں بھی جب سے آیا ہوں بار بار یہی سوال سامنے آیا ہے۔ میں آپ سے عرض

۱- ۱۹۶۵ء کی جنگ ستمبر کے بعد پاکستان اور بھارت میں سیز فائر ہو چکا تھا، دونوں ممالک کی فوجیں سرحدوں پر آمنے سامنے موجود تھیں۔ مولانا مودودی نے نومبر ۱۹۶۵ء میں اپنے متعدد رفقا (میاں طفیل محمد، نعیم صدیقی، اسعد گیلانی، صدیق الحسن گیلانی، خلیل حامدی، مولانا فتح محمد) کے ساتھ آزاد کشمیر کا دورہ کیا تھا۔ مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے مولانا کی کوششوں میں، ان کا یہ دورہ اہمیت رکھتا ہے۔ سردار عبدالقیوم نے کوہالہ پُل پر آپ کا استقبال کیا تھا۔ اس دورے میں مولانا نے مظفرآباد اور میرپور میں جلسوں سے خطاب کیا، درسِ قرآن دیا، ریڈیو آزاد کشمیر سے تقاریر نشر کیں اور مہاجرین مقبوضہ کشمیر کے کیمپوں میں جا کر ان سے ملے اور ممکن حد تک ان کی دادرسی کی۔

کرتا ہوں کہ اس مسئلے کو حل کرنے کی زیادہ سے زیادہ چار صورتیں ہیں۔ اگر یہ حل ہوسکتا ہے تو ان میں سے کسی ایک صورت سے حل ہوسکتا ہے۔ ہمیں جائزہ لے کر دیکھنا چاہیے کہ ان صورتوں میں سے کون سی صورت اپنے اندر کتنا کچھ امکان رکھتی ہے:

● بھارت پاکستان مذاکرات: اس کے حل کی ایک صورت یہ ہوسکتی تھی کہ بھارت اور پاکستان کی حکومتوں کے درمیان باہمی بات چیت سے یہ مسئلہ حل ہوجاتا۔ دنیا کی مختلف بڑی بڑی قومیں بار بار یہ کہتی رہی ہیں اور ان میں سے بعض اب بھی یہ کہتی ہیں کہ آپس میں بیٹھو اور بات چیت سے اس مسئلے کو حل کرو۔ ابھی حال ہی میں روس کی حکومت نے بھی یہ دعوت دی ہے کہ آؤ اور ہمارے سامنے بیٹھ کر آپس میں بات چیت کرو ــــ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا بھارتی حکومت سے بات چیت کے ساتھ کشمیر کا مسئلہ حل کیا جاسکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ پچھلے ۱۸ سال کی تاریخ، جس میں سے کشمیر کا مسئلہ گزرا ہے، بھارت کی بددیانتی کی کھلی ہوئی تاریخ ہے۔ یہ مسئلہ تو پیدا ہی نہ ہوتا اگر ہندستان کی حکومت میں کوئی دیانت موجود ہوتی۔ جو شخص بھی برعظیم ہند کے نقشے پر نگاہ ڈالے گا، ایک نظر میں کہہ دے گا کہ کشمیر پاکستان ہی سے تعلق رکھتا ہے، بھارت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ محض نقشے پر نگاہ ڈالنے سے ایک آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ برٹش انڈیا کی تقسیم جس اصول پر ہوئی تھی اس کو دیکھا جائے تو اس لحاظ سے بھارت کو کشمیر لینے کا کوئی حق سرے سے پہنچتا ہی نہیں۔ تقسیم اس اصول پر ہوئی تھی کہ مسلم اکثریت کے متصل علاقے پاکستان میں شامل ہوں گے۔ اس اصول کو مان لینے کے بعد جب ہندستان کے ہندو لیڈر اس بات پر راضی ہوگئے کہ ملک تقسیم ہو تو اگر ان کے اندر ذرہ برابر دیانت موجود ہوتی تو وہ ارادہ ہی نہ کرتے، اس بات کا کہ کشمیر پر قبضہ کرلیا جائے۔

فی الواقع یہ بددیانتی ہی تھی جس نے اُن کو اس بات پر آمادہ کیا کہ تقسیم کے وقت اپنے ہمسائے کے ایک حصے پر بھی قبضہ کرلیا۔ پھر اُن کے اندر اتنی انسانیت اور اتنا اخلاق بھی موجود نہیں تھا کہ اپنے قول و قرار کا پاس کرتے۔ کیوں کہ اگر تھوڑی دیر کے لیے حق اور انصاف کے سوال کو نظرانداز بھی کردیا جائے تو خود انھوں نے جس چیز کا اقرار کیا تھا وہ ڈوگرہ راج کی دستاویز الحاق کو قبول کرتے وقت ان کا اپنا یہ اعلان تھا کہ ہم اسے عارضی طور پر قبول کر رہے ہیں اور اس کا آخری فیصلہ جموں اور کشمیر کے باشندوں کی رائے پر ہوگا۔ یہ خود ان کا اپنا قول و قرار تھا، ان کا اپنا اعلان تھا

جس سے وہ منحرف ہو گئے۔

سوال یہ ہے کہ جو قوم اتنی بدعہد ہے اور جس کے لیڈر اس قدر انسانی اخلاق سے عاری ہیں کہ اپنے قول و قرار سے پھر جانے اور اپنی بات کو نگل جانے میں بھی انھوں نے کوئی تامّل نہیں کیا، ان سے بات چیت کس بات پر کی جائے؟ تمام دنیا کی قوموں کے سامنے بیٹھ کر انھوں نے یہ عہد کیا تھا اور ۱۹۴۸ء اور ۱۹۴۹ء میں مجلس اقوامِ متحدہ میں انھوں نے اس بات کو قبول کیا تھا کہ کشمیر کے باشندوں کو رائے شماری کے ذریعے سے اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا موقع دیا جائے گا اور اس طرح وہ خود فیصلہ کریں گے کہ وہ بھارت اور پاکستان میں سے کس کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں۔ اس قرارداد کو بھارت نے خود مانا اور ۱۹۵۸ء تک برابر اس کو مانتا رہا لیکن آج اس کے لیڈروں کو یہ کہتے ہوئے کوئی شرم محسوس نہیں ہو رہی کہ کشمیر بھارت کا غیر منفک حصہ ہے۔ آج وہ اس کو اپنا 'اٹوٹ انگ' کہتے ہیں اور ان کو یہ کہتے ہوئے ذرہ برابر شرم نہیں آتی۔ نہ ان کا فلسفی صدر اس پر شرماتا ہے اور نہ ان کے شاستری صاحب (صدر ڈاکٹر رادھا کرشنن اور شاستری وزیراعظم) اس پر شرماتے ہیں۔

سوال یہ ہے جس قوم کی اخلاقی حالت یہ ہے کہ اس کا ایک ایک فرد جانتا ہے کہ کشمیر پر ان کا کوئی حق نہیں ہے۔ کشمیر مسلم اکثریت کا علاقہ ہے اور خود تقسیمِ ہند کی رُو سے اسے پاکستان ہی میں شامل ہونا چاہیے اور پھر وہ سب یہ بھی جانتے ہیں کہ ہمارے اپنے قول و قرار اس معاملے میں کیا ہیں، اس کے باوجود وہ کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ کہتے ہیں —— سوال یہ ہے کہ ان سے بات کرنے کا آخر کیا فائدہ ہے اور ان سے بات کرنے میں وقت آخر کیوں ضائع کیا جائے؟

جو لوگ ہم سے یہ کہتے ہیں کہ آؤ اور ان کے ساتھ بات چیت سے مسئلہ طے کر وان سے ہمیں یہ کہنے کے بجائے کہ صاحب آپ بلاتے ہیں تو ہم بات کرنے کو تیار ہیں، یہ کہنا چاہیے کہ پہلے دوسرے فریق سے اس بات کا اقرار تو کرا لو کہ کشمیر کے متعلق واقعی کوئی جھگڑا ہے۔ آخر جب بھارت یہ کہتا ہے کہ کشمیر کوئی متنازع فیہ علاقہ (disputed territory) ہے ہی نہیں، کشمیر میں نزاع کا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا اور نہ کشمیر کے متعلق بات کرنے کی ضرورت ہے تو بتایا جائے کہ اس طرح کی بات چیت سے مسئلہ کشمیر کیوں کر حل ہو سکتا ہے۔

● **اقوام متحدہ کے تحت استصواب راے:** دوسری صورت اگر کوئی ممکن ہے تو وہ یہ ہے کہ اقوام متحدہ کے ذریعے یہ مسئلہ حل ہو۔ آپ دیکھیں کہ اقوام متحدہ میں یہ مسئلہ ۱۹۴۸ء میں گیا اور آج ۱۹۶۵ء ختم ہو رہا ہے۔ اس پوری مدت میں یعنی ۱۷ سال سے زیادہ عرصے میں اقوام متحدہ نے کیا کیا ہے؟ اقوام متحدہ کا اپنا یہ فیصلہ تھا کہ کشمیر سے پاکستان اور ہندستان دونوں کی فوجیں ہٹ جائیں گی اور اقوام متحدہ کے زیرنگرانی کشمیر میں راے شماری کرائی جائے گی اور وہاں کے باشندوں کو بھارت اور پاکستان میں سے کسی ایک کے ساتھ اپنا مستقبل وابستہ کرنے کا حق حاصل ہوگا ــــــ یہ فیصلہ اقوام متحدہ نے ۱۹۴۸ء میں کیا۔ ۱۹۴۹ء میں اس فیصلے کو اور زیادہ واضح الفاظ میں دُہرایا۔ لیکن ۱۹۶۵ء تک اس پوری مدت میں اس فیصلے پر عمل درآمد کے بجاے محض وقت گزاری ہوتی رہی۔ کبھی فلاں مشن آ رہا ہے اور کبھی فلاں مشن آ رہا ہے، کبھی استصواب راے کے ایڈمنسٹریٹر کا تقرر کیا جا رہا ہے (جس کو اب تک تنخواہ دی جا رہی ہے) لیکن عملاً کیا قدم اٹھایا گیا؟

اس معاملے میں مجلسِ اقوام متحدہ کی بے حسی بلکہ اس کی بداخلاقی کا حال یہ ہے کہ پہلے جن چیزوں کا فیصلہ وہ کر چکے ہیں اور جو فیصلے لکھتے ہوئے بھی دستاویزی صورت میں ان کے سامنے موجود ہیں آج ان فیصلوں کا اعادہ کرنے اور ان کا نام لینے میں ان کو تامّل ہے۔ انھوں نے اسی سال ۴ ستمبر اور ۲۰ ستمبر اور اس کے بعد اب ۵ نومبر کو جتنے ریزولیوشن پاس کیے ہیں ان میں سے کسی میں ان فیصلوں کا حوالہ تک موجود نہیں ہے۔ ان کو بار بار یاددہانی کرائی گئی ہے کہ پہلے آپ یہ فیصلے کر چکے ہیں چنانچہ اس امر کا ذکر کرنا چاہیے کہ ان فیصلوں کے مطابق اس مسئلے کو حل کیا جائے لیکن سرے سے اس بات کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں دی گئی۔ اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ اقوام متحدہ کو خود اپنے فیصلوں کا بھی کوئی احترام نہیں۔ اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ اقوام متحدہ میں کھڑے ہو کر بھارت کے وزیر خارجہ صاحب علی الاعلان یہ کہتے ہیں کہ کشمیر تو بھارت کا ایک حصہ ہے، کشمیر کے متعلق ہم سرے سے کوئی بات کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں۔ نہ اقوام متحدہ کو یا کسی اور کو کشمیر کے معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق پہنچتا ہے کیونکہ یہ بھارت کا داخلی معاملہ ہے ــــــ یعنی ایک قوم اس قدر بے حیائی کے ساتھ خود اقوام متحدہ میں بیٹھ کر تسلیم کیے ہوئے سارے فیصلوں کو ماننے سے انکار کر دے اور سلامتی کونسل کے ممبروں میں سے کوئی نہیں جو کھڑے ہو کر

اسے ٹوکے اور کہے کہ تم یہ کس طرح اور کس زبان سے کہہ سکتے ہو کہ کشمیر کا معاملہ تمھارا داخلی معاملہ ہے اور اس میں کسی کو دخل دینے کا حق نہیں ہے___ اگر کسی کو دخل دینے کا حق نہیں ہے تو ۱۹۴۸ء میں یہ اقوام متحدہ کے سامنے پیش کیسے ہوا اور آج بھی اس کے ریکارڈ پر کیوں موجود ہے؟ اگر یہ کوئی مابہ النزاع مسئلہ نہیں تھا تو یہ یہاں کیسے آیا؟ اقوام متحدہ میں اس مسئلے کا آنا خود اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ یہ ایک مابہ النزاع مسئلہ ہے۔

لیکن سب جانتے ہیں کہ ایسی کوئی آواز اُن مہذب اقوام کے پلیٹ فارم سے سنائی نہیں دی۔ اسی سے آپ اندازہ کیجیے کہ اقوام متحدہ کی اخلاقی حالت کیا ہے اور کس حد تک ان کے ہاں دیانت اور امانت اور انصاف موجود ہے اور یہ بھی کہ کس حد تک وہ خود اپنے فیصلوں کا احترام ملحوظ رکھتے ہیں___ میرا خیال یہ ہے کہ جس طرح ہندستان سے بات چیت کر کے اس مسئلے کے طے ہونے کا کوئی امکان نہیں، اسی طرح اقوام متحدہ کے ذریعے اس مسئلے کو طے کرانے کی کوئی اُمید نہیں۔ یہ بالکل ہماری نادانی ہوگی، اگر ہم آیندہ بھی اس اُمید پر بیٹھے رہیں جس طرح ۱۷ سال سے بیٹھے ہوئے ہیں۔

● عالمی طاقتوں کا کردار: اب اس کے بعد تیسری صورت رہ یہ جاتی ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں اس معاملے میں مداخلت کر کے اس مسئلے کو حل کرائیں۔ آیئے! ذرا ان بڑی طاقتوں پر بھی ایک نظر دوڑا لیں۔

ان بڑی طاقتوں میں سے ایک برطانیہ ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہ مسئلہ پیدا ہی برطانیہ کی بددیانتی کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس نے تقسیم اتنے غلط طریقے سے کرائی اور ریڈکلف اوارڈ میں ایسی تحریف کی کہ اس کے نتیجے میں ایک مستقل تنازع پاکستان اور ہندستان کے درمیان پیدا ہوگیا۔ اگر یہ تقسیم غلط طریقے سے نہ ہوتی اور ہندستان کو کشمیر تک پہنچنے کا وہ راستہ ناجائز طور پر نہ دیا جاتا جو اُسے کسی صورت میں حاصل نہیں ہوسکتا تھا تو یہ مسئلہ پیدا ہی نہ ہوتا۔

سوال یہ ہے کہ جس طاقت نے اپنی بددیانتی سے، اور اس بنا پر کہ اس کے اندر کسی اخلاقی ذمہ داری کا احساس موجود نہیں تھا، خود اس مسئلے کو پیدا کرنے کے اسباب فراہم کیے اور اس سارے فساد کی بنیاد ڈالی، اس سے آپ کیا توقع رکھتے ہیں کہ وہ اب کوئی کوشش اس مسئلے کو حل کرنے کی

کرے گی؟ اگر اس قوم کے اندر ذمہ داری کا احساس موجود ہوتا تو یہ مسئلہ پیدا ہی کیسے ہوتا؟

ایک دوسری بڑی طاقت روس ہے۔ میں یہ صاف صاف کہتا ہوں کہ کشمیر کے مسئلے کو اتنا پیچیدہ بنانے میں بہت بڑا دخل روس کا ہے۔ جب تک روس نے ہندستان کی حمایت میں اپنا ویٹو استعمال کرنا شروع نہیں کیا تھا اُس وقت تک ہندوستان کو کبھی یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی کہ کشمیر کا سرے سے کوئی مسئلہ ہے ہی نہیں، کشمیر تو ہمارا 'اٹوٹ انگ' ہے۔ یہ باتیں بھارت نے اس وقت سے شروع کی جب روس نے مستقل اپنا ویٹو استعمال کر کے بھارت کو اس امر کا اطمینان دلا دیا کہ تم اب کشمیر پر آسانی سے قبضہ برقرار رکھ سکتے ہو۔ روس کے وزیر اعظم نے خود کشمیر میں آکر کھلم کھلا اس ظلم کا اعلان کیا کہ ہم کشمیر کو ہندستان کا ایک حصہ مانتے ہیں۔ فی الحقیقت اس مسئلے کو اس حد تک الجھا دینے میں اس ظلم کا بہت بڑا حصہ ہے۔ روس کا ویٹو استعمال ہونے سے پہلے یہ مسئلہ اقوام متحدہ میں اس حیثیت سے آتا رہا کہ استصواب کیسے کرایا جائے اور کیا کیا انتظامات کیے جائیں۔ لیکن جب سے روس نے ویٹو استعمال کرنا شروع کیا ہے اس وقت سے استصواب کا لفظ ہی اقوام متحدہ کی قراردادوں سے غائب ہو گیا ہے۔

اب ایک ایسی بڑی طاقت سے ہم کیا اُمید قائم کر سکتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ کوئی ہمیں بلائے تو ہمارے اخلاق کا تقاضا ہے کہ ہم دعوت کو قبول کریں لیکن دعوت اگر کسی زہریلے پلاؤ کے کھانے کی ہو تو ایسی دعوت کو قبول کرنا مسنون نہیں ہے۔[1]

ایک اور بڑی طاقت امریکا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ دنیا میں امریکا سے زیادہ ناقابلِ اعتماد دوست شاید ہی کوئی ہوگا۔ اس قوم نے جس کمال کا مظاہرہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ ہر ایک سے یک طرفہ دوستی چاہتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ ہر ایک اُس کے کام آئے مگر وہ کسی کا ساتھ نہ دے۔ بلکہ جب بھی موقع پیش آئے تو اپنے دوست کے ساتھ بے وفائی کرے۔ واقعہ یہ ہے کہ امریکا ہی کی وجہ سے پاکستان نے روس کی دشمنی مول لی۔ اگر ہم سیٹو اور سنٹو میں امریکا کے ساتھ شامل نہ

---

۱ - اشارہ ہے روس کی اس دعوت کی جانب، جو اُس نے تاشقند میں بھارت اور پاکستان کو مذاکرات کے لیے دی۔ مولانا کی یہ تقریر اعلانِ تاشقند سے ڈیڑھ ماہ پہلے ایک انتباہ کی حیثیت سے سامنے آ گئی تھی۔

ہوتے تو شاید روس ہمارا اس قدر دشمن نہ بنتا کہ بار بار ویٹو استعمال کر کے کشمیر کے مسئلے کو اتنا الجھا دیتا۔ پاکستان نے امریکا کی دوستی میں اس حد تک نقصان اٹھایا لیکن جب ہمارا معاملہ آیا تو اُس وقت اُس نے کھلم کھلا ہمارے ساتھ بے وفائی کی۔ جب اس کا حال یہ ہے تو ہم سے زیادہ نادان کون ہوگا اگر ہم یہ اُمید باندھیں کہ امریکا دباؤ ڈال کر اس مسئلے کو حل کرے گا۔ میرا خیال یہ ہے کہ ہم اگر امریکا پر اعتماد کریں اور اس اُمید پر بیٹھے رہیں کہ وہ اسے حل کرائے تو وہ اسے ایسے طریقے سے حل کرائے گا کہ کشمیر کو حق خود ارادیت تو درکنار خود پاکستان کی آزادی وخودمختاری بھی باقی نہیں رہے گی۔ جو کچھ اُن کے ارادے سننے میں آتے ہیں اور جس طرح کے مضامین کھلم کھلا ان کے ہاں لکھے جاتے ہیں اور اخباروں میں شائع ہوتے ہیں، اُن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اسکیم کشمیر کے مسئلے کو ایسے طریقے سے حل کرانے کی ہے کہ خود پاکستان کی آزادی وخودمختاری بھی ضم ہوجائے گی۔ اس کی وجہ سے ہمارے نزدیک اس سے بڑی کوئی حماقت نہیں ہے کہ امریکا پر اعتماد کیا جائے اور اس کے ذریعے سے اس مسئلے کو حل کرانے کی اُمید باندھی جائے۔

● واحد حل —— جہاد: اب صرف ایک آخری صورت رہ جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے بھروسے پر اُٹھیں اور اپنے خدا پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے دست وبازو سے اس مسئلے کو حل کریں۔ میرے نزدیک بس یہی ایک صورت ہے۔ اس سے پہلے بھی برسوں سے میں یہ بات کہتا رہا ہوں اور آج پھر کہتا ہوں کہ کشمیر کے مسئلے کا ایک ہی حل ہے اور وہ ہے جہاد —— آج بالکل صریح طور پر یہ بات ہر ایک کے سامنے آچکی ہے کہ اس مسئلے کا اس کے سوا کوئی اور حل نہیں ہے۔

لیکن جہاں تک اس حل کا تعلق ہے، بعض لوگوں کے ذہنوں میں 'حساب' کے مختلف سوال پیدا ہوجاتے ہیں۔ جب اس مسئلے پر بات ہوتی ہے تو بعض لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ پاکستان اور ہندستان کی طاقت میں بہت بڑا فرق ہے۔ وہ کئی گنا بڑی طاقت ہے، اس وجہ سے ہم لڑ کر اس مسئلے کو حل نہیں کرسکتے۔ کچھ لوگ یہ بات کھل کر کہتے ہیں اور بعض لوگ دبے دبے الفاظ میں اس خیال کا اظہار کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ آج ہمارے سامنے مسئلہ زندگی اور موت کا ہے، غیرت اور بے غیرتی کا ہے، عزت اور ذلّت کا ہے۔ آج صورت حال یہ ہے کہ ہم ایک مرتبہ کشمیر کے معاملے میں دبتے ہیں تو یہ ایک مرتبہ کا دبنا نہیں ہوگا بلکہ اس کے بعد ہم کو مسلسل دبتے چلے جانا

پڑے گا۔ یہاں تک کہ ہماری آزادی بھی چھن جائے گی۔ یعنی اب پاکستان کا باقی رہنا بھی اس بات پر منحصر ہے کہ پاکستان دنیا میں اس بات کو ثابت کرے کہ یہ ایک باعزت قوم کا ملک ہے' ایک زندہ قوم کی سرزمین ہے اور یہ قوم اپنی عزت کے لیے مرمٹ سکتی ہے' لیکن جھک نہیں سکتی۔

میرے بھائیو! جب تک ہم اپنے عمل سے اس بات کو ثابت نہیں کریں گے' یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا اور نہ صرف یہ کہ یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا بلکہ ہم ایک آزاد اور باعزت قوم کی حیثیت سے زندہ نہیں رہ سکیں گے۔

جہاں تک حساب لگانے کا تعلق ہے تو پہلی بات یہ ہے کہ مسلمان کو بتایا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ کی طاقت پر اعتماد کرتے ہیں وہ اپنے سے دس گنا طاقت سے بھی لڑ کر کامیاب ہو سکتے ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ کم من فئۃٍ غلبت فئۃً کثیرۃً باذن اللّٰہِ [یعنی] ایک قلیل تعداد' بارہا ایسا ہوا ہے کہ اللہ کے حکم سے ایک کثیر تعداد کے اُوپر غالب آجاتی ہے۔

اور آج تو یہ محض ایمان بالغیب کی بات بھی نہیں رہی۔ پچھلے ۱۷ روز کی جنگ میں مسلسل اور پے درپے اس بات کا مشاہدہ ہو چکا ہے۔ کوئی شخص اس بات کو کیسے باور کر سکتا ہے کہ تین رجمنٹ فوج تین ڈویژن سے بھڑ جائے اور وہ تین ڈویژن اس پر غالب نہ آسکیں۔ ایک بٹالین فوج پوری کی پوری تین ڈویژن کو روکے رکھے اور وہ لاہور کی طرف نہ بڑھنے پائے۔ اگر 'حساب' کر کے دیکھا جائے تو ہماری فضائی طاقت کتنی تھی اور ہندستان کی طاقت کتنی۔ ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ ہم میں سے کئی گنا زیادہ تھے اور صرف یہی نہیں کہ وہ بہت زیادہ تھے بلکہ ان کے ہوائی جہاز ہمارے ہوائی جہازوں سے زیادہ بہتر نوعیت کے تھے لیکن تجربے نے آپ کو بتا دیا کہ اگر اللہ کی تائید شاملِ حال ہو اور مسلمان اللہ کے بھروسے پر اُٹھ کھڑے ہوں تو اللہ کی تائید معجزے دکھا سکتی ہے اور اس زمانے میں بھی اس نے معجزے دکھائے ہیں۔ ہم سب اپنی آنکھوں دیکھ چکے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ہمیں اللہ کے بھروسے پر اُٹھنا چاہیے اور اس مسئلے کو حل کرنا چاہیے ——— لیکن ایک بات اچھی طرح سمجھ لیجیے۔

یاد رکھیے کہ اللہ سے تائید کی اُمید رکھنا اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی نافرمانیاں کرنا' یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ نہیں چلا کرتیں۔ اس جنگ سے پہلے سترہ اٹھارہ سال جو کچھ ہمارے

ہاں ہوتا رہا، جوفسق و فجور برپا رہا، جس طرح اسلامی تہذیب کے گلے پر چھری چلائی جاتی رہی اور غیر اسلامی ثقافت کو رواج دیا جاتا رہا وہ سب کو معلوم ہے، اس کی داستان کسی سے چھپی ہوئی نہیں۔ لیکن صرف اس وجہ سے کہ یہ قوم اللہ کا نام لیتی تھی اور اس قوم کے اندر خدا سے بغاوت کا ارادہ نہیں تھا بلکہ یہ فسق و فجور اس پر زبردستی مسلّط کیا جا رہا تھا، اللہ نے ہم پر رحم کیا اور اس آزمایش کے موقع پر اللہ کی ایسی غیر معمولی تائید آئی کہ دشمن بھی ششدر رہ گیا۔ لیکن جان لیجیے کہ اپنے خدا کے ساتھ یہ کھیل ہم بار بار نہیں کھیل سکتے۔ اگر ہمیں اس سے تائید چاہنی ہے، اگر ہم یہ اُمید لگاتے ہیں کہ وہ ہماری مدد فرمائے گا تو ہمیں اس کے ساتھ بغاوت کا رویّہ چھوڑنا پڑے گا۔ یہ بات بالکل غلط ہے کہ کہ لڑنے کے وقت کلمے پڑھے جائیں، جنگ میں اس کی مدد کے بھروسے پر اطمینان ظاہر کیا جائے اور لڑائی ختم ہوتے ہی فوراً پھر وہ سابق فسق و فجور شروع ہو جائیں۔ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ آج ہماری فوجوں کو ورائٹی شو دکھانے شروع کر دیے جائیں اور ورائٹی شو اس طرح سے کہ عین فرنٹ کے اُوپر لے جا کر آدھے سپاہیوں سے کہا جائے کہ تم مورچوں میں بیٹھو اور آدھے جا کر ورائٹی شو دیکھیں۔ گویا صلوٰۃ خوف کی طرح اب یہ آدھے جا کر وہاں رقص دیکھیں، العیاذ باللہ!

یہ چیزیں خدا کی مدد حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں ہیں۔ اگر ہمیں خدا کی مدد حاصل کرنی ہے تو پھر خدا کی اطاعت کی طرف آنا پڑے گا۔ اُس سے بغاوت کی راہ چھوڑنا پڑے گی۔ میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ اگر ہم خدا کی اطاعت اور فرماں برداری اختیار کریں تو جتنی تائید پچھلے سترہ روز میں خدا نے کی ہے، اس سے بدرجہا زیادہ تائید اس کی طرف سے پھر ہوگی اور بہت جلدی نہ صرف یہ مسئلہ حل ہوگا بلکہ پاکستان کی آزادی اور خودمختاری کے متعلق بھی ہمیں پوری طرح سے اطمینان حاصل ہو جائے گا جیسا کہ سردار عبدالقیوم صاحب نے اپنی تقریر میں کہا ہے کہ اب مسئلہ صرف کشمیر کا نہیں ہے، مسئلہ پاکستان کا ہے اور اس بات کا کہ پاکستان کو عزت کے ساتھ جینا ہے یا نہیں؟

تو اس مسئلے کو صرف خدا کی تائید ہی حل کر سکتی ہے۔ اور کوئی طاقت ایسی نہیں ہے۔ ہر طرف سے نظریں ہٹا کر ایک خدا سے اُمیدیں باندھی جائیں۔ نہ روس کی طرف سے آپ کو کوئی امداد ملنی ہے نہ امریکا کی طرف سے، نہ برطانیہ کی طرف سے اور نہ اقوام متحدہ کی طرف سے۔ ہر طرف سے نظریں ہٹا کر ایک خدا کے بندے بن جایئے اور خدا کے بھروسے پر اپنے دست و بازو

سے اس مسئلے کو حل کرانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں۔ یہی آخری راستہ ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے حکمرانوں کو اتنی ہمت اور اتنا عزم عطا کرے کہ وہ اُس کے بھروسے پر اُٹھ کھڑے ہوں اور اس مسئلے کو حل کر لیں۔ میں تمام مسلمانوں کے حق میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنا فرماں بردار بنائے، ان کو اپنی اطاعت کی توفیق بخشے اور ان کے اُوپر رحم فرمائے۔ (۵-اے ذیلدار پارک، جلد دوم، مرتبہ: رفیع الدین ہاشمی، ص ۵۳-۶۳)

دونوں طرف خود